JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 16, Issue: 02, January – Jun 2023

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

پیش اقدامی – عصری یا اسلامی تصور؟
سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

The concept of proactivity – Western or Islamic?
A critical study in the light of Seerah

Dr. Hafsa Nasreen*
Assistant Professor
Department of Urdu Encyclopedia of Islam,
University of the Punjab, Lahore

ABSTRACT

Being proactive means taking responsibility for life, going beyond action accordingly. Moreover, it lies in accepting the fact that there are various things in our life we cannot do anything about. But is a well-established myth that this proactive approach towards life originated in West. This great life lesson or skill is revealed by Western scholars specially by Dr. Stephen Covey. Unfortunately, we Muslims are also of the same view and are grateful to western scholars. Infact Islamic concept of proactivity is for better than the Western one. The prophet Muhammad p.b.u.h. is the role model for an individual to take responsibility in all spheres of life. It has been discussed in this paper in the light of Qur'an and Sunnah that Islam taught its followers to be proactive and not reactive. So, we do not need to borrow this concept or skill from West.

Key Words: *Proactivity, reactivity, planning, action, wisdom.*

ابتدائیہ

ترقی و کامیابی کے حصول کے ممکنہ راستوں کی تلاش و جستجو عہد حاضر کے اہم ترین مباحث میں سے ایک ہے۔ چنانچہ دنیا بھر میں ہزاروں مصنفین اس پر کتب لکھ رہے ہیں۔ مقررین اس پر تقاریر کر رہے ہیں۔ ورکشاپس کا انعقاد ہو رہا ہے۔ آن لائن ہزاروں

CC BY

پروگرام، یوٹیوب ویڈیوز دستیاب ہیں جن میں افراد کو کامیابی کے گر سکھائے جاتے ہیں۔ ان میں جہاں کارزارِ حیات میں برسرپیکار ہونے کے لیے تعامل باہمی کے مختلف طریقے سکھائے جاتے ہیں وہیں ذاتی اصلاح، شخصیت سازی یا بالفاظ دیگر اپنے من کی دنیا کی کھوج اور اپنے اندر جھانک کر "کامیابی" کی راہ میں حائل ہونے والی عادات کا قلع قمع کرنے اور خود کو ان اوصاف حمیدہ سے متصف کرنے پر بہت زور دیا جارہا ہے جو کامیابی کے حصول میں نہایت ممد و معاون ہیں۔ بہت سے ذاتی خصائل و عادات سکھائی جارہی ہیں جو شاہ راہِ کامیابی پر سفر کے لیے ضروری ہیں۔ انھی صفات میں سے ایک اہم ترین صفت Proactivity ہے۔ جسے اردو میں "پیش اقدامی" کہا جاتا ہے۔ یعنی مستقبل میں پیش آنے والے معاملات و حالات کے لیے قبل از وقت تیار رہنا۔ پہلے سے اقدام کرنا، مستعد رہنا بلکہ آگے بڑھ کر اس کے لیے ہر ممکنہ کوشش کرنا۔ یہ بلاشبہ بہت اہم عادت یا وصف ہے جس کی ضرورت و اہمیت سے کوئی ذی شعور شخص انکار نہیں کر سکتا۔ فرد ہو یا قوم ہو جو مستقبل بین اور پیش اقدام ہے وہی کامیاب ہے۔ بصورت دیگر اوراقِ تاریخ میں انفرادی و اجتماعی سطح پر ناکامیوں اور تباہیوں کی بے شمار عبرت ناک داستانیں رقم ہیں۔ لہٰذا کامیابی و کامرانی [خواہ دنیاوی ہو یا اخروی] کے لیے بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ بہت سے خساروں اور گھاٹوں سے محفوظ رہنے کے لیے مستقبل پر نظر اور اس کے مطابق تیاری یعنی پیش اقدامی بلاشبہ لازم ہے اس سے کسی صورت مفر نہیں۔ سو مغرب میں Proactive approach کا غلغلہ بہت بلند ہے۔ اس پر بہت کام ہو رہا ہے۔ اسے قائدانہ اوصاف کی اساس و بنیاد قرار دیا جارہا ہے۔

ہم مسلمان جو ایک طرف صدیوں سے ذہنی غلامی کا شکار ہیں، دوسری طرف اپنی اسلامی تعلیمات، اپنے ورثے سے بے نیاز و بے بہرہ ہیں۔ بالعموم شعوری اور بعض اوقات لاشعوری طور پر مغربی مصنفین و محققین کی تحریروں، تقریروں، ان کی آراء، ان کی تحقیقات سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ ہمیں لگتا ہے کامیابی و کامرانی کے لیے ہمیں لامحالہ مغربی تحقیقات و تصورات پر ہی انحصار کرنا ہو گا۔ ہم اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ قرآن و سنت محض چند مذہبی تعلیمات و رسوم کا مجموعہ ہیں جو صوم و صلوٰۃ اور دیگر چند فرائض دینی کی ادائی میں تو معاون و رہنما ہیں لیکن اس دنیا میں کس طرح کامیاب و بامراد ہونا ہے یہ اسلامی تعلیمات کا موضوع بحث ہے ہی نہیں۔ سو اس باب میں ہم مغرب سے آنے والی ہر رائے، ہر تجویز کو متاعِ حیات سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔ اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے اور مرعوبیت کے احساس تلے دب دب جاتے ہیں کہ فراست و بصیرت کے کیسے کیسے سرچشمے یورپ سے جاری ہیں کیسا سلسلۂ فیضان ہے جس سے ہم مستفید ہو رہے ہیں! بے شک اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ آپؐ نے فرمایا: حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے اسے جہاں سے بھی ملے لے لینی چاہیے۔ لیکن اس اہم نکتے پر تحقیق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ حکمت کے جس موتی کو ہم کہیں سے چُن رہے ہیں وہ واقعی متاعِ گمشدہ ہے بھی یا ہمارے پاس پہلے سے موجود ہے اور ہم اس کی طرف اعتناء کرنے کے بجائے اسے کہیں باہر تلاش کر رہے ہیں۔ گویا اپنے خزانے میں موجود بیش بہا درر و جواہرات کو نظر انداز کر کے اغیار کے سامنے جھولی پھیلائے کھڑے ہیں۔ اس رجحان کے نتیجے میں عمومی طور پر یہ تصور

پیدا ہو گیا کہ پیش اقدامی (Proactivity) جو کامیاب ترین اور مؤثر ترین افراد کا وصفِ خاص ہے، مغربی تصور ہے۔ انسانی شخصیت کے اس "سربستہ راز" کی نقاب کشائی اہلِ مغرب نے کی ہے کہ تحصیلِ کامیابی کے لیے پیش اقدامی کا وصف ہونا کتنا ضروری ہے! ثانیاً انھوں نے ہی یہ سکھایا کہ پیش اقدامی کے تشکیلی عناصر ولوازم کون کون سے ہیں اور اس جوہر کو اپنی شخصیت میں کیسے پیدا کیا جاسکتا ہے۔

مقالہ ھٰذا میں اس امر کا تقابلی جائزہ لیا جائے گا کہ پیش اقدامی مغربی تصور ہے یا اسلامی؟ اور اس اہم عادت یا وصف کی تحصیل کے لیے قرآن وسنت میں کوئی نظام العمل (Frame Work) اور راہِ عمل (road map) ہے یا نہیں؟

مقالہ ابتدائیے کے بعد دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ جزو اول میں پیش اقدامی کے مغربی تصور، تعارف و تخصصات پیش کیے گئے ہیں اور حصہ دوم بعنوان "پیش اقدامی۔ قرآن و سنت اور تاریخ اسلامی کے تناظر میں" لکھا گیا ہے۔ ازاں بعد اختتامیہ اور سفارشات پیش ہیں۔

جزو اوّل: پیش اقدامی - عصری مغربی تصورات

انگریزی میں پیش اقدامی کے لیے Proactivity کا لفظ مستعمل ہے۔ اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

> "Proactive: … controlling a situation by making things happen rather than waiting to them."[1] "… acting in anticipation of future problems, needs, or changes..."[2]

کسی بھی کام کی بہ طریق احسن تکمیل کے لیے اسے لازمی قرار دیا جاتا ہے:

> "Everyone achieves more when they take a more proactive approach to life and think ahead in order to get more accomplished."[3]

مغربی مصنفین نے اس پر بہت کام کیا ہے بہت کچھ لکھا ہے تاہم اس میدان کا شہ سوار امریکی مصنف Stephen Covey کو گردانا جاتا ہے۔ اس کی کتاب The Seven Habits of Highly Effective People دنیا کی Best Sellers کتب میں شامل ہے۔ یہ بیالیس سے زائد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے اور دنیا بھر کی متعدد جامعات کے نصاب میں شامل ہے۔ یہ بیالیس سے زائد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے اور دنیا بھر کی متعدد جامعات کے نصاب میں شامل ہے۔ کتاب ہٰذا میں مؤثر اور کامیاب افراد کی عادات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں اوّلین عادت Proactivity ہے۔ Covey نے اُس پر بالتفصیل لکھا ہے۔ اس کے مطابق انسانی زندگی تین دائروں کو محیط ہے:

* Circle of Influence یعنی اثر کا دائرہ۔ جس میں آنے والے معاملات کو انسان اپنی کوشش سے بنا اور بگاڑ سکتا ہے۔

* Circle of Concern یعنی وہ معاملات میں جن سے انسان متاثر تو ہوتا ہے لیکن ان کے حوالے سے وہ کچھ خاص اقدام نہیں کر سکتا مثلاً عالمی جنگیں، موسمی تغیّرات۔
* No Control جن میں انسان بالکل بے بس ہے مثلاً کسی عزیز کی دائمی جدائی۔

پیش اقدامی کے حوالے سے Covey لکھتا ہے:

> "Proactive people focus their efforts in the circle of influence. They work on the things they can do something about. The nature of their energy is positive, enlarging and magnifying, causing their circle of Influence to increase."[4]
> "... as proactive people, we can carry our own physical or social weather with us. We can be happy and our effort on the things that we can."[5]

اس نے ایک پیش اقدام یا proactive فرد کی پہچان کا ایک معیار بتایا ہے:

> "Another excellent way to become more self-aware regarding our own degree of proactivity is to look at where we focus our time and energy."[6]

اور

> "There are things, like the weather, that our circle of Influence will never include. But as proactive people, we can carry our own physical or social weather with us. We can be happy and accept those things that at present we can't control, while we focus our efforts on the things that we can."[7]

Proactive فرد کے محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "Highly proactive people recognize that responsibility. They do not blame circumstances, conditions or conditioning for their behavior. Their behavior is a product of their own conscious choice, based on values, rather than a product of their conditions, based on feeling."[8]

مختلف مغربی تصانیف، مقالات، تحاریر و تقاریر میں ایک Proactive فرد کے جو خواص، ان کے مزاج کے جو محاسن پیش کیے گئے ہیں ان کے مطابق ایک Proactive فرد:

* دور تک سوچتا ہے۔
* بہت اچھا سامع اور اچھا خطیب ہوتا ہے۔

* اپنی منشا کے مطابق آزادانہ کام کرتا ہے نہ کہ کسی دباؤ کے تحت یا کسی مطالبے پر۔
* اس کے اعمال کسی بیرونی عنصر کے رد عمل کے طور پر سرزد نہیں ہوتے۔
* رجائیت پسند ہوتا ہے نہ کہ قنوطیت پسند۔
* قوت فیصلہ کا حامل ہوتا ہے۔
* درپیش صورتِ حال کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لیتا ہے نہ کہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔
* امورِ تفویض کرتا اور جماعت کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔
* تنقید کو مثبت انداز میں لیتا ہے۔
* اس میں اعلیٰ درجے کی استقامت ہوتی ہے۔
* وہ بہترین منصوبہ ساز ہوتا ہے۔[9]

جزو دوم: پیش اقدامی- قرآن وسنت کے تناظر میں

اللہ رب العزت نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[10] کہہ کر ہمیں ایک واضح نصب العین (Vision) عطا فرمادیا ہے۔ عبادت کا دائرہ محض صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے تمام امور کی انجام دہی اللہ رب العزت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرنا اصل عبادت ہے۔ یہ عبادت گویا زندگی کے ہر کام ہر معاملے کو محیط ہے۔ یہ ضابطہ حیات قرآن وسنت کی صورت بالتفصیل آسان اور سہل انداز میں ہمارے پاس موجود ہے۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ملاحظہ ہوں:۔ وَ كُلَّ شَيءٍ فَصَّلنٰهُ تَفصِيلًا[11] "اور ہم نے ہر چیز کو خوب کھول کر بیان فرمادیا ہے"۔ اور لَقَد كَانَ فِي قَصَصِهِم عِبرَة لِّاُولِي الاَلبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفتَرٰى وَ لٰكِن تَصدِيقَ الَّذِي بَينَ يَدَيهِ وَتَفصِيلَ كُلِّ شَيءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحمَةً لِّقَومٍ يُّومِنُونَ[12] "یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جارہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں بلکہ جو کتابیں پہلے آئیں ہیں یہ انھی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت ورحمت ہے"۔

> اَفَغَيرَ الله اَبتَغِي حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيٓ اَنزَلَ اِلَيكُمُ الكِتٰبَ مُفَصَّلًا[13]
> "تو پھر کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کردی ہے۔"

دین متین کا حسن یہ ہے کہ یہ دنیوی واخروی دونوں زندگیوں کو بیک وقت اہم گردانتا ہے۔ بہترین مسلمان وہ نہیں جو راہب ہے بلکہ بہترین مسلمان وہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک بھرپور اور فعّال زندگی بسر کرتا ہے۔ قرآن وسنت کا مطلوب و مقصود دونوں یعنی دنیا وعقبیٰ کی فوز وفلاح ہے۔ قرآنی دعاؤں میں سے ایک دعا جسے نبی کریمؐ بکثرت پڑھا کرتے: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنيَا حَسَنَةً وَّ فِي الاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ[14] اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اسی کی ایک اور مثال آپؐ کی درج ذیل

دعاہے:اللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِيْ، وَأَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ ، وَأَصْلِحْ لِيْ آخِرَتِيَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَادِيْ وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ ، وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ [15]

بنابریں انسان کو واضح طور پر بتادیا گیاہے کہ:

لَّيسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى[16]

"انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی"

ہر انسان کو اس کی تیاری، اس کی سعی وکاوش کے مطابق ہی نتائج و ثمرات ملیں گے۔ مستقبل پر نظر اور اس کے لیے تیاری کے حوالے سے حکم ہے:

وَلتَنظُر نَفس مَّا قَدَّمَت لِغَدٍ[17]

"چاہیے کہ ہر شخص دیکھ بھال لے اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے"

یہ تیاری آخرت کے لیے تو ہے ہی لیکن وَلَاتَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا[18] کہہ کر اللہ نے اپنے بندے کو پابند کر دیاہے کہ اپنی دنیوی زندگی کے اگلے آنے والے دن کے لیے سوچے اس کے لیے بہترین منصوبہ بندی کرے اور کوشش و کاوش میں رہے۔اپنے بندوں کے خصائل حمیدہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:وَالَّذِينَ ہُم لِاَمَانٰتِہِم وَعَہدِہِم رَاعُونَ[19] احادیث مبارکہ میں بھی راعٍ اور رعیت کے الفاظ اور ان کے حوالے سے سخت تاکید ملتی ہے۔

فرمانِ رسول اکرمؐ ہے:

الا فكلكم راعٍ و كلكم مسئول عن رعيته[20]

خبردار رہو تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کی بابت سوال کیا جائے گا"

"تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ امام نگران ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ انسان اپنے گھر کا نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے سوال ہو گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا اور عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میرا خیال ہے آپؐ نے یہ بھی فرمایا"انسان اپنے باپ کے مال کا نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا"[21] اور ان الله سائل كل راعٍ عما استرعاه احفظ ام ضيّع[22]

بطور مثال چند احادیث پیش کی گئی ہیں۔ ان میں موجود راعٍ کا لفظ خاص معنویت کا حامل ہے۔ اس کے معنی لغوی اعتبار سے کچھ یوں ہیں:

"الراعى من يحفظ الماشية و يرعاها۔ الراعى كل من وَلِي الامر بالحفظ والسياسة كا لملک والا مير والحاكم۔ راعاه: راقبه و راعى الامرراقب مصيره و نظر فى عواقبه"[23]

گویا "راعی" کے معنی و مفہوم میں اپنی رعیت میں آنے والی ہر شے کی موجودہ حالت پر نظر، اس کی حفاظت اور اس کے مستقبل کے بارے فکر، منصوبہ بندی، ممکنہ خطرات کا سدِباب اور بہتری کے لیے کوششیں شامل ہیں۔ اسی لیے گلّہ بان، چرواہے کے لیے بھی یہی لفظ مستعمل ہے۔

اصل الراعی حفظ الحیوان امابغذائه الحافظ لحیاته او یذب العدوعنه[24]

"راع" کے حوالے سے مذکورہ بالا آیت اور احادیث کو ملا کر دیکھا جائے تو جو مفہوم سامنے آتا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو خود کو تفویض کردہ امانتوں اور اپنے وعدوں کی کڑی نگرانی کرتے ہیں۔ امانات میں انسان کی صحت، اس کا وقت، اس کے رشتے ناطے، مال و دولت، عہدے اور وسائل، اثر ورسوخ، ماحول، کائنات کی تمام تر رعنائیاں غرضیکہ ہر شے جس سے وہ مستفید ہوتا ہے شامل ہے اور وعدوں میں عہد الست اور اس کے بعد اپنے رب سے کیے گئے تمام وعدے اور انسانوں سے کیے گئے تمام وعدے شامل ہیں۔ جب انسان کو ان کا حافظ نہیں بلکہ "راعٍ" کہا گیا تو گویا وہ اپنے زیرِ نگرانی آنے والی ہر شے کی موجودہ حالت کا امین بھی ہے اور مستقبل میں اس کے تحفظ، بحالی و برقراری اور بہتری کے لیے اقدامات کرنے کا پابند و ذمہ دار بھی۔ سو بلاخوفِ تردید و ابطال کہا جاسکتا ہے کہ "راعٍ" پیش اقدامی کے تمام تر تقاضوں کو محیط ہے اور مسلمان سے جس طرح اخروی زندگی میں فوز و فلاح کے لیے کوشش و کاوش مطلوب و مقصود ہے بالکل اسی طرح دنیاوی زندگی میں اپنی جان و مال، عزت و آبرو، اپنے وقار، عقائد، اپنی جغرافیائی و نظریاتی سرحدوں، اپنے ماحول کے تحفظ، بقا اور آئندہ کے لیے بہترین اقدامات کا پابند ہے۔ اس دنیا میں بہترین انداز سے زندگی بسر کرنے اور اپنے زیرِ استعمال آنے والی ہر شے کو بہتر حالت میں چھوڑ کر جانے کا پابند ہے۔ جس کے لیے "پیش اقدامی" لازم ہے۔ یہ مومن کا وصف خاص ہے۔

سیرت النبیؐ سے پیش اقدامی کے چند نظائر

قاضی عیاضؒ نے آپؐ کے خصائل مبارکہ کے بیان میں ایک خصلت یہ بھی بیان کی ہے کہ آپؐ کی دانش، فہم و فراست، بصیرت دنیا کے تمام عاقلین و دانش وروں کے مقابلے میں ایسے ہی تھی جیسے ریت کے ایک ذرّے کے مقابل سارا صحرا[25]۔ آپؐ کا فرمان مبارک اسی فہم و دانش پر دلالت کرتا ہے:

"جو چیز تجھے نفع پہنچائے اس کی حرص کر۔ عاجز ہو کر نہ بیٹھ جا"[26]

Stephen Covey کے الفاظ میں بات کی جائے تو آپؐ عمر بھر اثر کے دائرے میں کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ آپؐ کی حیات مبارکہ کا ہر پہلو اس امر کی کافی و شافی دلیل ہے کہ آپؐ کمال درجے کے Proactive انسان تھے۔ حفظان صحت کا بھرپور خیال رکھتے۔ اپنے اہلِ خانہ، صحابہ کرامؓ، عام مسلمانوں کے جملہ معاملات و مسائل سب کے لیے الگ الگ وقت متعین تھا اور آپؐ سب کو وقت دیتے بنابریں تمام معاملات بخیر و خوبی چلتے۔ اوراقِ سیرت اس کی بے شمار مثالیں پیش کرتے ہیں کہ کارزارِ حیات

میں اپنے نصب العین کی تحصیل و تکمیل اور جماعت مسلمین کے تحفظ وبقا کے لیے آپؐ کا طرزِ عمل کیا تھا۔ ذیل میں اسی تناظر میں آپؐ کی حیاتِ مبارکہ سے بالترتیب چند مثالیں برائے ملاحظہ پیش ہیں۔

ا۔ مکی زندگی۔ عہد تبلیغ: مکہ مکرمہ، جہاں سے آپؐ نے اپنے عظیم مشن کا آغاز کیا۔ میں آپؐ کے تعلق کا دائرہ بہت بڑا اور قوی تھا یعنی متعدد قوی عناصر آپؐ کی راہ میں مزاحم تھے مثلاً

i- تولیت کعبہ اور سیادت کے خاتمے کا خوف: خاندان قریش تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا۔ تولیت کعبہ کی وجہ سے آل اللہ کہلانے والے اس قبیلے کے ہاتھوں میں محض کعبہ کی کلید ہی نہیں تھی بلکہ اسی رعایت سے قائم کردہ متعدد بڑے بڑے مناصب و محکمے انھی کے ہاتھوں میں تھے۔ آپؐ کو نبیؐ اور سردار مان لینے کا مطلب اس سیادت کا خاتمہ تھا۔

ii- قدیم عقائد پر ضرب کاری: بالفاظ شبلیؒ "ناتربیت یافتہ اور تندخو قوموں کا خاصّہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ہو، ان کو سخت برہم کر دیتی ہے ان کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی اور ان کی تشنگئ انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہیں سکتی"۔[27] لہٰذا ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا، بیت اللہ کو 360 اصنام سے سجا کے بیٹھے ان اہلِ مکہ کے ان عقائد پر ضرب کاری لگا کے ان کو توحید اور عبدیت الٰہی کی جانب لانا آسان کام نہیں تھا۔

iii- ابرہہ کی کعبہ ڈھانے کی ناکام کوشش کے سبب قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی۔ وہ عیسائیوں کے بالمقابل پارسیوں کو پسند کرتے تھے۔ اسلامی تعلیمات میں ان کو نصرانیت سے مماثلت نظر آتی تھی۔ بنابریں وہ آپؐ کی مخالفت پر کمربستہ تھے۔

iv- ایک بڑا قوی سبب قبائل کی باہمی رقابت تھی۔ قریش میں دو ممتاز قبیلے بنوہاشم اور بنوامیّہ حریف تھے۔ آپؐ کی نبوت اور آپؐ کے مشن کی کامیابی بنوامیہ کو اپنے رقیب بنوہاشم کی فتح محسوس ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بدر کے سوا سبھی جنگیں آپؐ پر ابوسفیان نے مسلط کیں۔ آپؐ کی سب سے زیادہ مخالفت اسی قبیلے نے کی۔ بڑے بڑے ظالم و سفاک اسلام دشمن مثلاً عقبہ بن ابی معیط، ولید بن المغیرہ، اخنس بن شریق سب اسی خاندان کے رئیس تھے۔

v- اہلِ مکہ متعدّد رذال اخلاق اور بداعمالیوں میں گرفتار تھے۔ قرآن کریم ان پر تنقید کرتا اور ان سے روکتا تھا جو انھیں سخت ناگوار گزرتا۔ بنابریں یہ سب اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔[28]

مذکورہ بالا اسباب و علل کے پیش نظر کفار آپؐ کی دعوت کی راہ میں حائل ہونے کے لیے ہر ممکنہ اقدام کرتے آپؐ کسی کو دعوتِ حق دے رہے ہوتے آیات سنا رہے ہوتے کفار میں سے کوئی نہ کوئی پاس آکر بیٹھ جاتا اور شور مچاتا یا آیات میں اپنی طرف سے فقرے ملانا شروع کر دیتا۔ قرآن کریم میں ان کے اس رویے کا تذکرہ یوں ملتا ہے:

لَاتَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ[29]

آپؐ گلیوں بازاروں سے گزر رہے ہوتے تو کفار میں سے کوئی نہ کوئی آپؐ کے ساتھ ساتھ رہتا اور جب بھی آپؐ کسی سے بات کرکے اپنا پیغام پیش کرنے کا قصد فرماتے تو یہ کافر کہتا "محمدؐ کی بات نہ سننا یہ خود تو بے دین ہو ہی گیا ہے تمھیں بھی دین سے

برگشتہ کر دے گا"۔ کبھی آپؐ کو شاعر کہتے کبھی مجنوں کہتے کبھی ساحر کہتے۔ کفار کی اس تکذیب سے بچاؤ کے لیے آپؐ نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ رات کے وقت تاریکی میں قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تاکہ مکہ والے رکاوٹ نہ ڈال سکیں۔ اسی حکمت عملی کے پیشِ نظر ایک بار آپؐ حضرت ابو بکرؓ، اور حضرت علیؓ کے ہمراہ نکلے۔ منیٰ میں کچھ لوگوں کو گفتگو کرتے دیکھا تو ان سے دریافت فرمایا آپ لوگ کون ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ ہم قبیلہ خزرج کے لوگ ہیں۔ آپؐ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ تلاوت قرآن فرمائی تو انھوں نے آپؐ کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے۔[30]

اپنے مشن کی تکمیل، اپنے پیغام کو ہر ایک تک پہنچانے کے لیے آپؐ کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ آپؐ کا معمول تھا کہ جب حج کا زمانہ آتا اور عرب کے قبائل مختلف علاقوں سے آ آ کر مکہ کے آس پاس پڑاؤ ڈالتے تو آپؐ ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے۔ پھر عرب کے مختلف مقامات پر لگنے والے تجارتی میلوں میں، جو ادبی سرگرمیوں کا مرکز بھی ہوتے تھے، تشریف لے جاتے اور دعوتِ اسلام دیتے۔ ان میلوں میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز بڑے میلے اور تجارتی مرکز تھے، بطورِ خاص ذکر کیے گئے ہیں۔ آپؐ ان میں ہر قبیلے کے پاس جاتے ابولہب ساتھ ساتھ جاتا اور جب آپؐ کسی مجمع میں گفتگو فرماتے تو برابر کہتا رہتا کہ "دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ بولتا ہے"۔[31]

کفار کے مظالم کا ایک بڑا مظہر شعب ابی طالب میں محصوری تھی جو بظاہر مسلمانوں کے عجز اور درماندگی پر دلالت کرتی تھی لیکن حقیقتاً اس دوران آپؐ نے کفار کے اجتماعی ردِ عمل کے مقابلے میں اپنے حمایتیوں کو منظم اور ذہنی ہم آہنگ کیا۔ کفار کی شرائط اور ناروا مصالحتی کوششوں کو قبول کرنے کے بجائے اس محصوری کا انتخاب بھی آپ کی پیش اقدامی کا عظیم مظہر ہے۔ مسلمانوں بالخصوص عورتوں اور بچوں کو بھوک اور دیگر ضروریاتِ زندگی سے محرومی کے عالم میں دیکھ کر مشرکین میں سے سنجیدہ طبع لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم ظلم و ناانصافی کر رہے ہیں۔ یوں گویا مسلمانوں کا مقدمہ عام لوگوں کی عدالت میں مضبوط ہوا۔ کفار کو اس کی بابت سوچنے اور غور و فکر کا موقع ملا۔[32]

مکّہ میں ظلم و ستم حد سے بڑھنے لگا۔ طرح طرح کی تکالیف سے دوچار کیا جانے لگا۔ حتّٰی کہ مسلمانوں کی زندگی اجیرن ہونے لگی۔ تو آپؐ نے انھیں ہجرت کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا "زمین میں بکھر جاؤ"۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسولؐ اللہ ہم کہاں جائیں تو فرمایا "حبشہ کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، لہٰذا تم بھی اسی کے ملک میں چلے جاؤ تا آنکہ جن حالات سے تم دوچار ہو، ان سے نکلنے کا اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نکال دے اور کوئی آسانی پیدا فرمادے"۔[33] یعنی پیشتر اس کے کہ یہ مظلوم مومنین شہید کر دیے جاتے آپ نے ان کو ایک نئے مأمن کی جانب جانے کا حکم دیا۔

آپؐ کو مکہ مکرمہ میں تبلیغ کرتے دس برس یعنی ایک طویل مدت بیت گئی اور اہلِ مکہ کی اکثریت آپؐ کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے مخالفت پر کمربستہ تھی۔ جناب ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اہلِ مکہ کے مظالم حد سے بڑھ چکے تھے۔ اکابرین مکہ دعوت کی راہ میں مزاحم تھے اور یہ مزاحمت روز افزوں تھی۔ اس صورتِ حال میں نبیؐ نے مکہ میں بیٹھ کر ان کے

رویّے پر حزیں و غمگین ہونے یا گلے شکوے کرنے کے بجائے اپنے پیغام کو مکہ مکرمہ سے باہر پھیلانے کا عزم کیا اور طائف کی جانب گامزن ہوئے اور دعوتی دائرے کو وسعت دینے کی جانب اقدام کیا۔ گویا اثر کے دائرے میں کام کرتے ہوئے اسے وسیع کرنے کا قصد اور سعی کی۔ اپنے پیاروں سے بچھڑنے کا دکھ، مخالفین کے ظلم و ستم کی انتہا، یعنی ہر طرف سے مصائب کی یلغار میں ایک نئی سرزمین پر دعوتِ اسلام کی تخم ریزی کی امید لیے عازم سفر ہوئے۔ اہلِ طائف کے سامنے دعوتِ حق پیش کرنے کے بعد آپؐ نے جان لیا کہ یہ سرزمین ابھی اسلام کے لیے ذرا نم نہیں رکھتی۔ طائف کے سرداروں نے شہر کے اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ کہیں آپؐ کی باتوں سے متاثر ہو کر کوئی اسلام قبول نہ کر لے۔ آپؐ پر سنگ باری کی گئی، آوازے کسے گئے۔ مذاق اڑایا گیا۔ اتنی اذیت دی گئی کہ آپؐ نے اسے اپنی زندگی کا سخت ترین وقت قرار دیا۔[34] واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت زیدؓ بن حارثہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپؐ اہلِ مکہ کے پاس واپس کیسے جاسکتے ہیں۔ انھوں نے تو آپؐ کو نکلنے پر مجبور کیا تھا؟" آپؐ نے فرمایا "اے زید تو دیکھے گا کہ کس طرح اللہ کشادگی کرے گا اور راستہ بنائے گا۔ اللہ اپنے دین کو غالب اور اپنے نبیؐ کی مدد کرنے والا ہے۔" پھر آپؐ حرا کی طرف چلے گئے۔ یہاں آپؐ نے پھر پیش اقدامی کی ایک اعلیٰ مثال پیش کی۔ آپؐ نے عبداللہ بن اریقط کو اخنس بن شریق کی طرف غرض سے بھیجا کہ وہ آپؐ کو پناہ دینے کے بارے اس سے پوچھے۔ اخنس نے جواب دیا میں حلیف ہوں اور حلیف کے خلاف پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپؐ نے یہی پیغام سہیل بن عمرو کی طرف بھیجا اس نے کہا کہ میرا قبیلہ بنو عامر بن لوی بنو کعب کے خلاف پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپؐ نے مطعم بن عدی کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے آپؐ کا پیغام سنا اور کہا "میں پناہ دوں گا۔ اُن سے کہو کہ آجائیں"۔ عبداللہ بن اریقط واپس آیا اور آپؐ کو اطلاع دی۔ آپؐ مکہ میں داخل ہوئے اور اس کے پاس رات گزاری۔ صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے چھ یا سات بیٹے اسلحے سے لیس ہو کر نکلے۔ مطعم بن عدی نے آپؐ سے کہا: آپ طواف کیجیے۔ وہ اپنی تلواریں لیے مطاف میں چاق و چوبند ہو کر بیٹھ گئے۔ مطعم بن عدی نے اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے اعلان کیا "اے قریش میں نے محمدؐ کو پناہ دی ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی ان کی ہجو نہ کرے۔" آپؐ نے مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں کے حصار میں حجر اسود کو بوسہ دیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔[35]

ازاں بعد آپؐ مکہ مکرمہ میں واپس تو آگئے تھے لیکن یہ واضح تھا کہ اب یہ سرزمین اسلام کے لیے مزید زرخیز نہیں ہے۔ اُدھر حبشہ جا بسے مہاجرین سکون و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ گویا ہجرت کے بعد ایک پرسکون زندگی کا تجربہ سامنے موجود تھا۔ ادھر مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو پناہ اور تبلیغ اسلام کے لیے ایک مامن ملنے کی امید موجود تھی۔ اہلِ مدینہ میں سے بالترتیب اولاً چھ، پھر 11 اور پھر بہتّر افراد نے دعوت حق پر لبیک کہا تھا اور آخر الذکر بہتّر افراد نے آپؐ سے وعدہ کیا تھا کہ ہر خطرے کے باوجود آپ کو پناہ دیں گے۔ گویا مسلمانوں کو ایک نیا مرکز میسّر آنے کی امید تھی۔ یہ مقام جغرافیائی اعتبار سے بھی بہت محفوظ تھا۔ پھر آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ ایک سرسبز و شاداب مقام کی طرف آپؐ ہجرت کر گئے ہیں۔ پھر اہلِ مکہ نے آپؐ کے قتل کی سازشیں شروع کر دیں بنابریں آپؐ نے مکہ مکرمہ کو خیرباد کہا اور مدینہ منورہ کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ آپؐ کو

علم تھا کہ آپؐ کے خون کے پیاسے کفار اتنی آسانی سے آپؐ کی ہجرت کو ہضم نہیں کر سکتے وہ تعاقب ضرور کریں گے۔ بنابریں آپؐ نے اس موقع پر بھی بصیرت اور دوراندیشی کے پیش نظر مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے والے عام راستوں کے برخلاف ایک مختلف راستے کا انتخاب فرمایا۔ یعنی مکّہ سے مدینہ جانے والے راستے کے بجائے یمن کی جانب گامزن ہوئے۔ نیز آپؐ نے ان اوقات میں سفر کیا جن میں عموماً عرب سفر نہیں کیا کرتے تھے۔[36] المختصر آپؐ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مسلمان پہلے سے ہجرت کر کر کے یہاں آن بسے تھے اب ایک نئی زندگی نئے امکانات و تحدّیات کے ساتھ شروع ہو گئی۔

مدینہ منورہ کی صورت آپؐ کو اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے ایک محفوظ مقام مل گیا تھا۔ مسلمانوں کی جان و مال عزت و آبرو کے تحفظ کی قوی اُمید بھی تھی لیکن یہاں بھی آپ کے لیے تعلق کا مضبوط دائرہ موجود تھا۔ یعنی: یہود مدینہ کے قبائل جن کی بنیادیں مضبوط تھیں۔ ان ہی میں سے ایک شخص کو عنقریب مدینہ کی سیادت ملنے والی تھی۔ انھی اہلِ مدینہ میں ایک منافقین کا گروہ ظہور پذیر ہوا جو مسلمانوں کے لیے آستین کے سانپ تھے اور مسلمانوں کے خلاف، انھی کی صفوں میں رہ کر ان کے خلاف کارروائیاں کرتے رہتے۔ پھر کفارِ مکہ کی جانب سے یہود و منافقین کے ساتھ ساز و باز اور ریشہ دوانیاں اور پھر مسلمانوں پر مسلسل مسلّط کردہ جنگیں... تعلق کے اس قومی دائرے کے اندر آپؐ نے اپنے اثر کے دائرے کو وسعت بخشی۔ دل شکستگی کے بجائے اس امر پر کامل توجہ مرکوز کی کہ ان مزاحمتوں اور رکاوٹوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اپنے تحفظ، بقا اور استحکام اور اپنے مشن میں کامیابی کے حصول کو کیسے یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

مدنی زندگی

مہاجرین مکہ کی اکثریت بے سروسامان تھی۔ آپؐ نے ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے پہلا قدم انھیں انصار کے ساتھ مؤاخات کے رشتے میں باندھ کر اٹھایا۔ آپؐ نے دونوں یعنی ہر انصاری اور مہاجر کے مزاج، عادات و فضائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مؤاخات قائم فرمائی۔ یوں گویا ہر لٹے پٹے مہاجر کو ایک تحفظ میسر آ گیا۔[37] یہ مدنی زندگی میں پیش اقدامی کی پہلی مثال تھی۔ ازاں بعد آپؐ نے مہاجرین، انصار اور جملہ دیگر اہلِ مدینہ کے مابین ایک معاہدہ کیا۔ جس کے نتیجے میں مدینہ ایک باقاعدہ اسلامی ریاست بنا اور آپؐ اس کے سربراہ۔ اس معاہدے کے ذریعے آپؐ نے مختلف العقیدہ اور منتشر لوگوں کو متحد کر دیا۔ آپؐ کا عدالتی اختیار یہود پر بھی نافذ و قائم ہوا جنھوں نے اسے تسلیم بھی کیا۔ یوں آپؐ نے مدینہ کے مسلمانوں کے تحفظ کو یقینی بنا دیا۔ اب معاہدے کے تمام شرکاء پابند تھے کہ کسی ایک سے بھی اگر کوئی غیر معاہد جنگ کرے گا تو وہ تمام شرکائے معاہدہ سے جنگ تصور ہو گی سب مل کر لڑیں گے اور ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں گے۔[38]

آپؐ بخوبی جانتے تھے کہ مسلمانوں کا اہلِ مکہ کے ظلم و ستم سے بچ کر ایک محفوظ مقام پر آباد ہونا ناکامئ سازش پر خون کے گھونٹ پیتے کفار کو بالکل راس نہ آئے گا۔ وہ مسلمانوں کا خاتمہ کرنے مدینہ تک ضرور آئیں گے اور ہر ہتھکنڈہ استعمال کریں گے۔ ان حالات میں کہ، کفارِ مکہ یہودِ مدینہ سے مسلسل رابطے کر رہے تھے اور مطالبہ کر رہے تھے کہ جن لوگوں نے تمھارے ہاں پناہ لی

ہے انھیں ہمارے حوالے کر دو، آپؐ بھانپ رہے تھے کہ مسلمان امن سے رہ نہیں سکیں گے۔ لہٰذا اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کے تحفظ اور غیر مسلموں کے تفہیم اسلام کے لیے ایک ساز گار ماحول تشکیل دینے کے لیے آپؐ نے مدینہ کے اطراف واکناف کے قبائل کو بھی میثاقِ مدینہ میں شامل کرنے کا عزم کیا۔ آپؐ نے مقام ودّان تک، جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں واقع ہے، سفر کیا اور قبیلہ بنی حمزہ بن بکر، اہل کوہِ بواط، بنو مدلج سمیت کئی قبائل کے ساتھ معاہدات کر کے انھیں حلیف بنالیا۔ مکہ سے یمن جانے والی شاہراہ پر آباد قبائل کو اپنا حلیف بنا کے اور دشمن کے خلاف مزاحمت کی صورت میں مسلمانوں کی حمایت و معاونت کا معاہدہ کر کے گویا آپ نے اہلِ مکہ کی اقتصادی ناکہ بندی کر دی تھی۔ ان کی شہ رگ مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ یہ آپؐ کی پیش بندی و پیش اقدامی کی اعلیٰ مثال ہے۔ مدنی زندگی میں آپ کی پالیسی کا بنیادی جزو یہ تھا کہ مخالفین کو نیست ونابود کرنے کے بجائے سیاسی اعتبار سے بے اثر اور فوجی اعتبار سے بے دست و پا کر دیا جائے تاکہ وہ نظامِ اسلام اور حکومتِ اسلام کے خلاف خطرہ نہ بن سکیں۔ مدینہ میں دفاعی قوت کی تنظیم و تشکیل اسی بنیاد پر ہوئی۔ مکہ والوں کی تجارتی و معاشی ناکہ بندی کا یہی مقصد تھا کہ ان کے زور کو ختم کر دیا جائے[39]۔

جب آپؐ پر جنگیں مسلط کر دی گئیں اور آپؐ کی قیادت میں لشکرِ اسلام کو تلواریں اٹھانا پڑیں تو اس عسکری میدان میں آپؐ نے حسن تدبیر، فراست اور پیش اقدامی کی شاندار مثالیں پیش کیں۔ عرب میں ابلاغ کا مؤثر ترین ذریعہ شاعری اور قصیدہ گوئی تھا۔ میڈیا وار اس کے ذریعے لڑی جاتی تھی۔ مشرکین اپنے اشعار سے، اپنی شعلہ بیانی سے مختلف قبائل کے ہاں اسلام دشمنی کو انگیخت کرتے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر جنگ کے لیے آمادہ کرتے۔ لہٰذا آپ نے بھی اس ذریعہ کا بھرپور استعمال کرنے کا اہتمام کیا۔ اس نفسیاتی، اعصابی فکری و ابلاغی کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے حکم دیا۔ "قریش کی شعروں میں بھرپور مذمت کرو کیونکہ یہ ان کے لیے تیروں کی بوچھاڑ سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور اذیت ناک ہیں"۔ حضرت حسانؓ کو حکم دیا "اھج المشرکین، فان جبریل معک"۔[40]

غزوات میں آپ کی پیش اقدامی درج ذیل اقدامات کی صورت کھل کر سامنے آتی ہے:

1۔ کتمان، جنگی امور کو مخفی رکھنا اور توریہ سے کام لینا یعنی منزل کوئی اور اور راستہ کوئی اور۔

2۔ جاسوسی و مخبری کا قوی نظام: دشمن کی بابت تمام معلومات اکٹھی کرنا۔ ان کی ہر بات سے باخبر ہونا۔ آپؐ کا نظامِ جاسوسی اتنا تیز اور صحیح تھا کہ بعض اوقات کفار یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ آپؐ ان کے گھریلو معاملات سے بھی باخبر ہیں۔

3۔ منافقین سے احتیاط: منافقین کی سازشوں سے باخبر رہنا اور انھیں اپنے معاملات سے الگ رکھنا۔ مثلاً آپؐ نے غزوہ خیبر میں صرف ان لوگوں کو اپنے لشکر میں رکھا جو حدیبیہ میں ساتھ تھے۔

4۔ دشمن کو دھوکے میں رکھنا: خلافِ حقیقت امور دشمن پر ظاہر کرنا۔

5۔ اچانک حملہ آور ہونا: جب مخالف لشکر کو حملے کا گمان بھی نہ ہو۔

6۔ دشمن کے اچانک حملے کے لیے مستعد رہنا
7۔ حراسہ ورباط: پرخطر مقامات پر مستقل پہرہ لگانا۔
8۔ دشمن کے کمزور پہلوؤں، اس کی شہ رگ پر نظر رکھنا۔ مثلاً مدینہ منورہ جاکر اہلِ مکہ کی اقتصادی ناکہ بندی کا اہتمام۔
چند مثالیں برائے ملاحظہ ہیں:

> غزوۂ بدر درپیش تھا۔ آپؐ دشمن کے لشکر کے پہنچنے سے قبل ہی میدانِ بدر میں پہنچ گئے۔ آپؐ نے بنفس نفیس اپنا لشکر ترتیب دیا اور اسے مختلف مقامات پر تعینات کیا خیموں کی صورت۔ پھر آپؐ نے درمیان میں ایک گڑھا کھدوا کے اسے پانی سے بھروا دیا تاکہ لشکرِ اسلام کی ضرورت پوری ہوتی رہے۔ باقی کنوؤں کو بند کروا دیا۔ آپؐ نے یہ اقدامات اس لیے کیے کہ جب دشمن یہاں پہنچے گا تو ان حالات کو دیکھ کر اپنی کمر ٹوٹی ہوئی محسوس کرے گا اور ایسا ہی ہوا[41]۔

اسی طرح احد میں اس طرح صف آرا ہوئے کہ احد پہاڑ ان کے پیچھے تھا۔ یہ نہایت مفید اور معاون جنگی حکمت عملی تھی۔[42] آپؐ کے حسن تدبیر اور پیش اقدامی کا ایک واقعہ حضرت نعیمؓ بن مسعود سے کام لینے کا ہے۔ جو اسی غزوہ کے دوران خفیہ طور پر اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ابھی ان کے قبولِ اسلام کا ان کے مشرک ساتھیوں کو معلوم نہ تھا۔ قبولِ اسلام کے فوراً بعد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ کے استفسار پر اپنے قبولِ اسلام کا بتا کر عرض کیا یارسول اللہ آپؐ اب مجھے جو بھی حکم دینا چاہتے ہیں فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا "تم ہمارے اندر اپنی نوعیت کے فرد واحد ہو (کہ تمھارے اسلام کا دوسروں کو علم نہیں)۔ مقصد یہ تھا کہ ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا "اگر کچھ کر سکتے ہو تو دشمن میں پھوٹ ڈال کر ان کا رخ ہم سے موڑ دو، کیونکہ لڑائی ایک چال ہی تو ہے"۔ حضرت نعیمؓ حسبِ حکم متحرک ہوئے۔ بنو قریظہ کے پاس گئے۔ انھیں قریش و غطفان سے بدظن کرنے کے لیے کہا تم تو یہیں کے باسی ہو قریش و غطفان باہر سے آئے ہیں ان کی معاونت ہرگز نہ کرنا جب تک وہ اپنے چند سردار بطور رہن تمھارے قلعے میں نہ بھیج دیں۔ پھر سردارانِ قریش کے پاس آئے اور ان سے کہا یہود حضرت محمدؐ سے کیے عہد کو توڑنے پر شرمسار ہیں اور انھوں نے حضور کو پیغام بھی بھیجا ہے کہ اگر وہ قریشیوں اور غطفانیوں کے چند سردار حضرت محمد کے حوالے کر دیں تو آپؐ راضی ہو جائیں گے... اس کے بعد انھیں مشورہ دیا کہ اپنا ایک آدمی بھی بنو قریظہ کے حوالے مت کرنا... اس کے بعد یہی بات جاکر غطفانیوں سے کی اور وہی مشورہ دیا۔ جب بنو قریظہ نے فریقین سے چند افراد بطور رہن رکھنے کا مطالبہ کیا تو انھیں لگا نعیمؓ کی بات سچ تھی لہٰذا دونوں گروہوں نے انکار کر دیا۔ دونوں کا ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ گیا۔ انتشار پیدا ہو گیا۔ آپؐ کی حضرت نعیمؓ سے کام لینے کی تدبیر تیر بہدف ثابت ہوئی۔[43]

ایک اور مثال دیکھیے۔ غزوہ خندق کی تیاری تھی۔ خندق کی کھدائی کا عمل جاری تھا۔ ایک چٹان بڑی سخت تھی اور کسی طرح ٹوٹ نہیں رہی تھی۔ حضرت سلمانؓ فارسی آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور چٹان کے بارے میں بتایا۔ آپؐ خود تشریف

لائے اور تین ضربوں میں سے پاش پاش کر دیا۔ اس موقع پر صحابہ سے آپؐ کی گفتگو سے حکمت و دوراندیشی کا ایک مظہر اور سبق ملتا ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے: آپؐ نے فرمایا "جب میں نے پہلی ضرب لگائی تو مجھے مدائن، کسریٰ اور اس کے ارد گرد کے علاوہ بہت سے شہر دکھائے گئے حتّٰی کہ میں نے انھیں اپنی ان آنکھوں سے دیکھا"۔ یہ بات سن کر آپؐ کے پاس موجود صحابہ عرض کرنے لگے "یارسول اللہ آپؐ دعا فرمایئے اللہ ہمیں ان پر فتح نصیب فرمائے۔ ان کے گھر بار بطور مالِ غنیمت ہمیں ملیں اور اللہ ہمارے ہاتھوں انھیں تباہ و برباد کرے۔" آپؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ پھر دوسری ضرب کے متعلق فرمایا "جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو قیصر کے شہر اور ان کے ارد گرد کا علاقہ میرے سامنے کر دیا گیا حتّٰی کہ میں نے ان سب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔" اس پر آپؐ کے اصحاب نے پھر وہی مطالبہ کیا اور آپؐ نے دعا فرمائی۔ پھر تیسری مرتبہ آپؐ نے فرمایا "پھر جب میں نے تیسری ضرب لگائی تو مجھے حبشہ (ایتھوپیا) کے شہر اور ان کے ارد گرد کی بستیاں دکھائی گئیں۔ حتّٰی کہ میں نے ان کا بچشم خود نظارہ کیا" پہلی دوبار کی طرح اب بھی صحابہ نے آپؐ سے فتح کی دعا کی درخواست کی۔

اب رسول نے دعا کرنے کے بجائے فرمایا

"دَعوالحبشه ماودَ عوكم واتركوا الترک ماتركو كم"۔[44] "

اہل حبشہ جب تک تم سے احتراز برتیں تم بھی ان سے اعراض کیے رکھو اور جب تک ترک تمھیں کچھ نہ کہیں، تم بھی ان کو کچھ نہ کہو"۔

اہلِ ترک کا علاقہ شدید، پُرخطر، دور دراز اور پر مشقت تھا۔ ترک سخت جنگجو تھے ان کے بلاد شدید سرد تھے جب کہ بلادِ عرب گرم تھے۔ جب کہ اہلِ حبشہ سے لڑائی مول نہ لینے کی تلقین میں حکمت یہ تھی کہ مکی دور میں مظلوم مسلمانوں کو حبشہ ہی میں پناہ ملی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے رعایت سے کام لیا اور حبشہ پر کبھی حملہ نہیں کیا۔ جبکہ حبشہ کے اطراف میں فتوحات سے سوڈان، جبوتی، اریٹیریا اور صومالیہ مسلم اکثریت کے علاقے بن گئے اور حبشہ میں قدیم مسیحی بادشاہت بدستور قائم رہی۔

پیش اقدامی پر مبنی فرامین رسول

آپؐ نے امت کو اپنے اسوہ حسنہ سے تو پیش اقدامی کا بیش بہا سبق سکھایا ہی ہے مزید برآں اس رعایت سے آپؐ کے فرامین مبارک بھی دنیوی و اخروی زندگی کی فوز و فلاح کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپؐ نے جانور کو باندھ کر اللہ پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ اسے کھلا چھوڑ کر۔[45] یعنی اپنی طرف سے تمام ممکنہ اقدام کرنے کے بعد اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔ چند فرامین رسولؐ ملاحظہ ہوں:

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ہر طرح کے حلال و حرام سے آگاہ کر دیا ہے۔ ہاں ان حلال و حرام کے مابین کچھ امور غیر واضح بھی ہیں جنھیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ سوائے اس کے جسے اللہ رب العزت بچالے۔ جو مشتبہ امور کو چھوڑ دے گا، وہ اپنے دین اور عزت کو بچا کر محفوظ کرلے گا اور جو مشکوک معاملات کو

اختیار کرے گا وہ چراگاہ کے گرد بکریاں چرانے والے کی طرح ہے، ہو سکتا ہے کہ کوئی جانور چراگاہ میں جا گھسے..."[46]

"مومن کو چاہیے اپنے زمانے کی بصیرت حاصل کرے..."[47] "قوی مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر ہے اگرچہ خیر دونوں میں ہے۔ جو چیز تجھے نفع بخشے اس کی حرص کر عاجز ہو کر نہ بیٹھ جا[48]...ماعال من اقتصد [49]من صمت نجا[50]"جو خاموش رہا نجات پا گیا" یعنی آفاتِ لسان جو اسے پیش آسکتی تھیں، سے محفوظ رہ گیا۔

تاریخِ اسلام مشاہیر اسلام کی فہم و فراست، دور بینی اور پیش اقدامی کی شاندار مثالیں پیش کرتی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ صدیق کی پیش اقدامی کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

> حضرت ابو بکرؓ صدیق نے حضرت یزیدؓ بن سفیان کو الوداع کہتے ہوئے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا"... جب دشمنوں کے سفیر تمھارے پاس آئیں تو ان کا اکرام کرنا اور انھیں جلد رخصت کرنا تاکہ وہ تمھاری فوج کے بارے میں کچھ نہ جان سکیں، انھیں اپنے امور پر مطلع نہ ہونے دینا کہ انھیں تمھارے نقص و عیب کا پتہ چل سکے۔ انھیں فوج کے جمگھٹے میں رکھنا تاکہ وہ مسلمانوں کی قوت سے مرعوب ہو جائیں۔ اپنے لوگوں کو ان سے بات کرنے کی اجازت مت دینا، خود بات کرنا اور راز ظاہر مت ہونے دینا... اپنی فوج سے غافل نہ رہنا مبادا اس کے اندر خرابیاں پیدا ہو جائیں۔[51]

ایک مثال عہد فاروقی سے برائے ملاحظہ ہے:

> حضرت عمروؓ بن العاص نے بحر روم اور بحر قلزم کو براہِ راست باہم ملا دینے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے ایک جگہ اور موقع بھی تجویز کر لیا تھا۔ انھوں نے چاہا تھا کہ "فرما" کے پاس سے جہاں بحر روم اور بحر قلزم کے مابین صرف 70 میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے، نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو نارضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔[52] ایک روایت میں ہے۔ حضرت عمرؓ نے لکھا "ایسا ہوا تو رومی تمھارے گھروں کے صحنوں سے تمھاری عورتیں اٹھا لے جائیں گے"۔[53]

شبلیؒ لکھتے ہیں حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مختلف محاذوں پر مسلمان برسرپیکار تھے تو اس وقت میدانِ جنگ میں شریک گھوڑوں اور اونٹوں کے علاوہ گھوڑوں کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جسے جنگ میں استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ یعنی محفوظ، تیار، تازہ دم رکھا گیا تھا۔ اسی طرح چالیس ہزار گھوڑے شام کی سرحد کے قریب ہر وقت ہنگامی حالات کے لیے تازہ دم موجود رہتے تھے۔ یہ جنگ میں استعمال نہیں ہوتے تھے بلکہ ناگہانی صورتِ حال کے لیے احتیاطی تدبیر کے طور پر پالے جاتے تھے۔

تاریخِ اسلامی کے اُفق پر بہت سے دوراندیش، بیدار مغز، فیصلہ کن اور عامل مشاہیر مثل نجوم تاباں رہے ہیں۔ ان میں ایک نہایت ممتاز شخصیت سلطان صلاح الدینؒ ایوبی کی ہے۔ سلطان کو عمر بھر دو محاذوں کا سامنا رہا۔ ایک طرف صلیبی تھے تو دوسری طرف وہ مسلم امراء جو جاہ و سلطنت اور تختِ شاہی کی خواہش کے ہاتھوں ایمان فروخت کر کے سلطان کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ ایسے سنگین حالات میں سلطان کی سوانح سے Proactivity کی نایاب مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً سوڈانیوں سے صحرا میں مڈبھیڑ ہونے والی ہے اور سلطان اپنے نائب سالار الناصر سے مخاطب ہیں "...یاد رکھنا الناصر! اگر دشمن کی تعداد کبھی تم سے تھوڑی ہو تو بھی براہِ راست تصادم سے گریز کرو۔ رات کو چھاپہ مار استعمال کرو، شب خون مارو، دشمن کو پہلو سے لو۔ عقب سے لو، ضرب لگاؤ اور بھاگو۔ دشمن کی رسد تباہ کرو۔ جانور تباہ کرو، دشمن کو پریشان کرو۔ اس کے دستے بکھیر دو۔ اسے آگے آنے کی مہلت نہ دو۔ اسے دائیں بائیں پھیل جانے پر مجبور کر دو۔ اور اگر سامنے سے ٹکر لینا چاہتے ہو تو یہ نہ بھولو کہ یہ صحرا ہے سب سے پہلے پانی کی جگہ پر قبضہ کرو۔ سورج اور ہوا کے رخ کو دشمن کے خلاف رکھو۔ اسے پریشان کر کے اپنی پسند کے میدان میں لاؤ..."[54]

اسی سبب سے یورپی مؤرخ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ سلطان ایوبی کی ایسی جنگی چال تھی جس نے آگے چل کر صلیبیوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس طرح سلطان ایوبی دشمن کی پیش قدمی کی رفتار کو بہت سُست کر دیا کرتے اور دشمن کو مجبور کر دیتے کہ وہ ان کی پسند کے میدان میں لڑے۔ انھی لائحہ ہائے عمل کے سبب سلطان صلاح الدینؒ بیت المقدس کو نصرانیوں کے تسلط سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوئے۔

اختتامیہ

گذشتہ صفحات میں پیش اقدامی اور مستقبل بینی کے حوالے سے مغربی اور اسلامی تصورات مع چند امثلہ پیش کیے گئے ہیں۔ مندرجہ بالا معروضی حقائق کی روشنی میں بلاخوفِ تردید و ابطال کہا جا سکتا ہے کہ گو مغرب میں پیش اقدامی کے حوالے سے بہت گراں قدر کام ہوا ہے لیکن اس وصفِ خاص کی اصل اور بنیاد اسلامی تعلیمات میں عملی نمونوں کے ساتھ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ بلاشبہ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ میں اخروی فوز و فلاح کے راز تو ہیں ہی دنیوی کامیابی کا ہر راستہ بھی بہترین صورت میں وہیں سے ملتا ہے۔ گویا مسلمان مغرب کے رہینِ منت نہیں مغرب اسلام کا رہینِ منت ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ جس کا ہر فرد اسلامی تعلیمات کے بحرِ عظیم سے گوہر ہائے نایاب نکال کر دنیا کو پیش کرنے پر مامور کیا گیا تھا، اس اہم ذمہ داری سے اعراض کیے ہوئے ہے۔ ہمیں اس اعراض کے اسباب تلاشنے، اپنی اصلاح اور اپنے اس فریضے کی ادائی کی جانب سنجیدگی سے راغب ہونے کی ضرورت ہے۔ راقم کی رائے میں اس سلسلے میں درج ذیل تجاویز پر عمل مدد و معاون ہو سکتا ہے:

۱۔ حاملینِ علوم اسلامیہ، اساتذہ و محققینِ اسلام کی علمی میراث میں دنیوی و اخروی کامیابیوں اور کامرانیوں کے لیے رہنمائی تلاش کریں۔ اس کی روشنی میں جدید اصطلاح کے مطابق Road map اور Action plan تیار کریں اور انھیں عام فہم انداز میں برائے استفادہ عام پیش کیا جائے۔

۲۔ جامعات میں علوم اسلامیہ کے طلباء کے لیے شخصی و ذاتی اصلاح و ترقی کو بھی موضوع تحقیق بنایا جائے۔ اور اس کے مختلف پہلوؤں پر مغرب سے تقابلی جائزہ لیتے ہوئے تحقیقی کام کرائے جائیں۔

۳۔ سکول کی سطح سے مطالعہ سیرت کو شامل نصاب کیا جائے اور یہ رجحان سازی کی جائے کہ ہر معاملۂ حیات میں رہنمائی کے لیے اوّلین مرجع قرآن و سنت ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1 *Oxford Advanced Learner's Dictionary*, (Oxford University, 2005), S.V.

2 *Merrium-Webster Dictionary*, S.V.

3 Mark Fritz, *Getting things done*, (USA, n.d.), p: 51

4 Covey, The Seven Habits (London, Simon and Schuster, 25th ed. 2013), p:90

5 Ibid, p: 91

6 Ibid, p:89

7 Ibid, p:97

8 Ibid, p:78

9 John Adair, *Develop your Leadership*, Kogan Paul, London, 2010, 5-6; Jeff Wolf, Seven disciplines of a Leader, Canada, 2015, 47-125; John C. Maxwell, *The 5 Levels of Leadership*, (New York, n.d.).

[10] الذٰریٰت 56:51

az-Zāriyāt 51: 56

[11] بنی اسرائیل 12:17

Banī Isrā'īl 17:12

[12] یوسف 111:12

Yūsuf 12: 111

[13] الانعام 114:6

al-An'ām 2: 114

[14] البقرۃ 201:2

al-Baqara 2: 201

[15] القشیری مسلم بن حجاج، **جامع الصحیح، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ**، ریاض دارالسلام 2000ء، ح:2720

Muslim Bin Hajjaj al-Qushairī, *Jāmi'aṣ -Ṣaḥīḥ*, in *Mausū 'a al-Kutub as-Sitta* (Riyādh, Dār as-Salām, 2000), H: 2720

[16] النجم 53: 39

an-Najam 53: 39

[17] الحشر59: 18

al-Ḥashr 59: 18

[18] القصص28:77

al-Qaṣaṣ 28: 77

[19] المومنون23: 8

al-Mominūn 23:8

[20] بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل، **جامع الصحیح**، مشمولہ **موسوعہ الکتب الستۃ**، (ریاض دارالسلام، طبع اوّل2000ء)، ح:5188

Bukhārī abū ʻAbdullah Muḥammad bin Ismāʻīl, *Jāmiʻ aṣ-Saḥīḥ*, in *Mausū ʻa al-Kutub as-Sitta*, (Riyādh, Dār as-Salām 2000), H: 5188

[21] ایضاً، ح:893

Ibid, H: 893

[22] ابن حبان محمد التمیمی، **صحیح ابن حبان**، (بیروت، دار ابن حزم، طبع اوّل2012ء)، ح:2848

Ibn Ḥabbān Muḥammad at-Tamīmī, *Ṣaḥiḥ Ibn e Ḥabbān*, (Bairūt, Dār Ibn Hazm, 1st. ed. 2012), H: 2848

[23] ابن منظور محمد بن مکرم، **لسان العرب**، (بیروت دار صادر، س ن)، 14:325

Ibn e Manẓūr Muḥammad bin Mukarram, *Lisān al-ʻArab*, (Bairūt Dār Ṣādir n.d.) 14: 325

[24] آلوسی شہاب الدین سید محمود، **روح المعانی**، (بیروت دار الکتب العلمیہ، 1994ء)، 9:268

Ālusī Shihāb ud-Dīn, Syed Maḥmud, *Rūh al-Maʻānī*, (Bairūt, Dār al-Kutub al-ʻIlmīya), 9: 268

[25] ابو الفضل عیاض بن موسیٰ، **الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ** (دبئی، طبع اوّل2013ء)، 2:111

Abū al-Fadl ʻAyyāz, *ash-Shifā bi-Taʻrifi Ḥuqūq al-Muṣṭafa* (Dubai, 1st ed. 2013), 2:111

[26] مسلم بن حجاج القشیری، **الجامع الصحیح**، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ، (ریاض، دارالسلام، طبع اوّل2000ء)، ح:293

Muslim, Jāmi, H:293

[27] شبلی نعمانی، **سیرۃ النبیؐ**، (لاہور، ادارہ اسلامیات، طبع اوّل2000ء)، ج:ا، جزو:ا، ص:149

Shiblī Nuʻmānī, *Sīrat un-Nabī*, (Lahore, Idārā-i-Islāmiyāt, 1st ed. 2000), v: 1, Part:1, p: 149

[28] ایضاً، ص150 ببعد

Ibid, p: 150

[29] حٰم السجدہ41:26

Ḥāmīm as-Sajdā 41: 26

[30] مبارک پوری، صفی الرحمٰن، **الرحیق المختوم**، (لاہور، مکتبہ السلفیہ، 2002ء)، 194-195

Mubarak Pūrī, Ṣafī ur-Raḥmān, *Ar-Raḥīq al-Makhtūm*, 194-195

[31] مودودی ابو الاعلیٰ، **سیرت سرور عالم**، لاہور ادارہ ترجمان القرآن، 1978ء، 2:500-502

Muadūdī abū al-A'lā, *Sīrat Sarwar 'Ālam*, (Lahore, Idāra Tarjumān al-Qur'ān, 1978), 2: 500-502

[32] **محمد رسول اللہؐ**، لاہور بزم اقبال، 2022ء)، ج:4، ص:615-616

Muḥammad Rasūl ul-Allah, (Encyclopedia) (Lahore Bazm-e-Iqbal, 2022), v:4, p: 615-616

[33] البیہقی، **السنن الکبریٰ**، ح:1734، والبانی ناصر الدین، **سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ**، ح:319

al-Baihaqī, *as-Sunan al-Kubrā*, H: 1734; Albāni Nāṣir ud Dīn, *Silsilatu Aḥādīth aṣ-Ṣaḥīḥa*, (Riyādh, Maktaba al-Ma'ārif, n.d.), H: 319

[34] ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع، **الطبقات الکبریٰ**، (قاہرہ مکتبہ الخانجی، س ن)، 1:180

Ibn Sa'd Muḥammad bin Sa'd bin Manī', *aṭ -Ṭabaqāt al-Kubrā*, (Qāhira Maktaba al-Khānjī, n.d.) 1: 180

[35] ایضاً، 181

Ibid, 181

[36] ابن الجوزی عبد الرحمٰن بن علی، **المنتظم فی تاریخ الملوک والامم**، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع اول 1992ء)، ج:2، ص:55

Ibn al-Jawzī 'Abd ur Raḥmān bin 'Alī, *al-Muntaẓim fī Tārīkh al-Malūk wa al-Umam*, (Bairūt, Dār al-Kutub al-'Ilmīya, 1st. ed. 1992), v:2, p: 55

[37] ابن کثیر ابو الفداء اسمٰعیل، **السیرۃ النبویہ** (قاہرہ، 1964ء) 2:321

Ibn Kathīr abū al-Fidā Ismā'il, *as-Sīrah an-Nabawīyya*, (Qāhira 1964), 2: 321

[38] ایضاً، 324

Ibid, 324

[39] محمود احمد غازی، ڈ.، "رسولؐ اللہ بحیثیت مدبر" در **منتخب مقالات**، 7 بعد

Muḥmūd Aḥmad Ghāzī, "Rasūl Allah ba Ḥaithīyat-e-Mudabbir" in *Muntakhab Maqālāt*, 7

[40] بخاری، **جامع الصحیح**، ح:4124

Bukhārī, *Jāmi'*, H: 4124

[41] ابن کثیر، **السیرۃ النبویہ**، 2:402-403

Ibn Kathīr, *as-Sīrah an-Nabawiyyā*, v:2, p: 402-403

[42] ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، 2:39-40؛ حمید اللہ ڈ، **عہد نبوی کے میدان جنگ**، راولپنڈی 1998ء، 108-109

Ibn Sa'd, aṭ -Ṭabaqāt, v:2, p:39-40; Ḥamīd Allah, *'Ahd-e-Nabawī Keiy Maidān-e-Jang*, (Rāwal Pindi, 1998), 108-109

[43] ایضاً، 73

Ibn Sa'd, *at-Tabaqāt*, v: 2, p: 73

[44] ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، **سنن**، مشمولہ **موسوعہ الکتب الستہ**، (ریاض دار السلام 2000ء)، ح:4302

Abū Dā'ūd Sulaiman bin al-Ash'ath, *Sunan*, in *Mausū'a al-Kutub as-Sitta*, (Riyādh, Dār as-Salām, 2000), H: 4302

[45] ترمذی ابو عیسیٰ محمد بن سورۃ، **الجامع الصحیح**، مشمولہ **موسوعہ الکتب الستہ**، (ریاض دارالسلام، 2000ء)، ح2517

Tirmidhī abū ʻIsā Muḥammad bin Sūra, *al-Jāmiʻ aṣ-Ṣaḥīḥ*, in *Mausū ʻa al-Kutub as-Sitta*, (Riyādh, Dār as-Salām, 2000), H: 2517

[46] الواقدی محمد بن عمر، **المغازی**، (کلکتہ 1855ء) 1، 221-223 (غزوہ احد میں صف بندی کرنے کے بعد آپؐ نے یہ خطبہ دیا)۔

Wāqadī Muḥammad bin ʻUmar, *al-Maghāzī*, (Kalkata, 1855), 1: 221-223

[47] متقی الہندی علی بن حسام الدین، **کنز العمال فی السنن والاقوال**، (بیروت مؤسسہ الرسالہ، طبع پنجم، 1985ء)، 16:133

Muttaqqī al-Hindī ʻAlī bin Husām ad-Dīn, *Kanz ul-ʻUmmāl fi Sunan wa al-Aqwāl*, (Bairūt, Muassassa ar-Risāla, 5th ed. 1985), 16:133

[48] القشیری مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، مشمولہ **موسوعہ الکتب الستہ**، ح:2640

Muslim, *Jāmiʻ*, H: 2640

[49] احمد بن حنبل، **مسند**، بیروت مؤسسۃ الرسالۃ، س ن)، ح:4269

Aḥmad bin Ḥanbal, *Musnad*, (Bairūt Muassassa ar-Risala, n.d.), H: 4269

[50] البانی ناصر الدین، **سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ**، ح:1926

Albānī, *Silsilah*, H: 1926

[51] ابو الفداء اسمٰعیل بن محمد، **تقویم البلدان**، ص:106

Abū al-Fidā Isma'īl Bin Muḥammad, *Taqwīm al-Baldān*, (Bairūt, Dār Ṣādir, 1840), 106

[52] غازی محمود احمد، **محاضرات سیرت**، (لاہور، الفیصل 2007ء)، 345

Ghāzī Maḥmūd Aḥmad, *Mahādirāt-e-Sīrat* (Lahore al-Faisal, 2007), 345

[53] التمش، **داستان ایمان فروشوں کی**، (لاہور مکتبہ داستان، 2019ء)، 1:152

Altamash, *Dāstān Imān Faroshoun Kī*, (Lahore, Maktaba Dastān, 2019), 1: 152

[54] ایضاً، ص:66

Ibid, p: 66